

MashalBooks.org



اِنڈیپُر : ایلزِ تُفَالِی

مُشَاعَل : تَرْجِمَة : دَّاکْتَرِ اَمْرَالِ اَحْمَد

# اتچ آئی وی اور ایڈن

عالمی بحران

ایڈنر : ایلز بھرید

ترجمہ : ڈاکٹر ابرار احمد



مشعل

آرپی 5، عوایی کمپلکس، عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن

لاہور - 54600، پاکستان

MashalBooks.org

## فہرست

7	جیمز گراف سپہ	ابتدائیہ
9	المزتھ ریڈ	پیش لفظ
13	المزتھ ریڈ	تعارف
26	ڈاکٹر ابتمان خرم ڈاکٹر اکرام الاسلام	۱۔ ایڈز۔ ایک جائزہ ۲۔ پاکستان میں مریضوں کی تعداد ۳۔ وقت کے خلاف دوڑ
36	مارلوس ایم مالوئی	
38	(افریقہ)	۴۔ خطرناک دنیا میں
50	ایتا ویسکونسلوس	۵۔ ایک اور خطرہ
	شیا ملانٹ راج	۶۔ وبا کے سائے میں
59	(ہندوستان)	
	نک دیو کیپو جو مارفلر	۷۔ تضادات کے خلاف جدوجہد
71	(ٹلپائن)	
82	ذیبرا کے ریڈنیا پول (ایسو تھو)	7۔ ذیبرا کے پھیلاؤ کی معاشیات

اتج آئی وی اور ایڈز  
علمی بحثان

تألیف: المزتھ ریڈ

ترجمہ: ڈاکٹر ابرار احمد

پاکستانی باب: ڈاکٹر ابتمان خرم۔ ڈاکٹر اکرام الاسلام  
کالی رائٹ: انگریزی 1995ء۔ این۔ ڈی۔ پی۔  
کالی رائٹ: اردو 1995 مشعل، آر بی 5ء

عواہ کپیکس، عثمان بلاک

نیو گارڈن ناؤن لاہور 54600۔ پاکستان

پبلشر: مشعل

ٹائلر ذیبراں: تبسم شاہین

کپوزنگ: پرل کپوزنگ سٹریٹ ہنروراما لاہور

پرنز: کلبائن پرنز

قیمت: 150 روپے

196	پر تیب اونکسو نکتھم ہاٹا (تحالی لینڈ)	بنانا چاہیے	91	میری سینٹ سائز ڈیلب (سینٹ)	8- تباہی کے دہانے پر
207	ایاں کیمبل (زیمبیا)	خوف سے امید کی طرف سفر	100	راپرٹ ای ایس موگے ماٹا (کینیا)	9- ہمارا مستقبل خطرے میں ہے
217	نورین کلیبا (یوگنڈا)	امید کی کرن نظر آتی ہے			10- بے طاقت عورت کے لیے
228	نیریا جے کالی جیگ (ترانیا)	یاد رکھنے والے سبق	108	جان روز فرینکسن (جیکا)	ایک چیلنج
234	ہربرٹ ڈینیل (برازیل)	زندگی— زندہ باد	120	ایکا ایسو ولیمز (ناجیریا)	11- کمرشل جنی کام اور
			129	میکائی ویرا ڈیما (تحالی لینڈ)	اس کے خریدار
			137	کوہ فرے میل (ٹرینڈیڈ)	12- تباہی کے خاتمے کے لیے
			149	اوماری ہارونا کوکول (یوگنڈا)	13- تم پہنچنے پر تین دسمبر ہیں
			160	ایکی موادی (زاڑے)	14- بیداری جو اپنا نام بتانے
				لینینیبا لینی اون، ایڈیولا پیئرڈ، کائن اوک	کی جرات نہیں کرتی
				(ناجیریا کے ابادان علاقوں کی	15- ہمیں چپ کراؤنے والی طاقت
			166	تین خاتمیں )	16- بیداری کے لیے
				مارگریٹ موگولا، روز ماما	17- مشہد مکالہ
			176	(کینیا)	
			188	پیئریشا برک (ویسٹ انڈیز)	18- عزت نفس ضروری ہے

## ابتدائیہ

گذشتہ پندرہ سال سے ہیمن امیون ڈینی شینسی وائرس (HIV) کی وبا ہمارے ذہنوں پر ایک ناقابل فرم افاؤ کی طرح قبضہ کر چکی ہے۔ ایک ایسی وبا جس نے پہلے ہی لاکھوں انسانی جانوں کو احتلاف کر دیا ہے۔ جو عالم گیر دھکہ اور درد کا باعث بن رہی ہے، جو بے شکن اور خوف پیدا کر رہی ہے، اور ہماری معيشت کو تباہ کر رہی ہے۔ وہ وبا دنیا کے ہر حصے میں انسان ترقی کے لئے ایک خطرہ ہے لیکن ترقی پذیر ممالک کے لئے یہ خصوصی طور پر تباہ کن اثرات کی حامل ہے۔ دنیا کی 80 فیصد آبادی ترقی پذیر ممالک میں رہتی ہے۔ ایک ایسی دنیا ہے جہاں 13 سے 18 میں افراد، جن میں بچوں کی تعداد غالب ہے، بھوک، خوراک کی کمی، اور غربت کے ہاتھوں ہر سال موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ افریقہ کی ہر 21 خالہ خواتین میں سے ایک، ایشیا میں ہر 54 خواتین میں سے ایک، اور لاطینی امریکہ میں ہر 73 خواتین میں سے ایک خاتون دوران حمل یا بیچے کی پیدائش کے عمل میں مر جاتی ہے۔ 15 مزید خواتین جن میں 98 فیصد کا تعلق ترقی پذیر ممالک سے ہے، ہر سال دوران حمل چیزوں کے باعث بیمار ہو جاتی ہیں۔

ایک ارب افراد ایسے گھر انوں سے تعلق رکھتے ہیں جو اتنے غریب ہیں کہ نارمل کام کرنے کے لئے کافی خوراک حاصل نہیں کر سکتے۔ 50 کروڑ افراد تو اتنی خوراک بھی حاصل نہیں کر سکتے جو معمولی کام کا ج کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ ترقی پذیر ممالک میں تمام گھر انوں کے ایک تہائی حصے کی سربراہی، خواتین کے ذمے ہے۔ 1990ء تک ان میں سے کم از کم ایک چوتھائی خواتین بوزہمی ہو چکی تھیں۔

یہ وہ ممالک ہیں جہاں HIV افیکشن کے 80 فیصد کیس سامنے آ رہے ہیں اور 2000ء تک یہ شرح 90 فیصد تک پہنچ جائے گی۔ HIV کے ذریعے پھیلنے والی یہ باتی، وبا کے پہلے سے موجود ناساعد حالات سے مل کر، جو صورتحال پیدا کرے گی، ہم میں سے اکثر اس کا اندازہ تک نہیں کر سکتے۔

لیکن اطمینان کی بات یہ ہے کہ HIV کی وبا کی وجوہات، اس کی یچیدگیوں اور اس کے اثرات کے باوجود، لوگ اس کے خلاف صرف آرا ہونے کی صلاحیت کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ افراد، خاندان، دیسات اور کمیونٹی آپس میں منتظم ہو کر متاثرین کی امداد کر رہے ہیں، فتح جانے والوں کی دیکھ بھال کر رہے ہیں اور HIV سے مزید پھاؤ کے لئے ایک دوسرا کو رویے میں تبدیلی پر آمادہ کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔

یو این ڈی پی۔ تبدیلی کے ایسے عمل کی معاونت پر راست لیکن رکھتی ہے جو لوگوں کے اپنے خوابوں اور امنگلوں کے ذریعے وقوع پذیر ہو رہی ہو۔

ذاتی تاثرات پر مبنی یہ کتاب، ایسی ہی چند افراد کی آواز دوسروں تک پہنچانے کی ایک کوشش ہے۔

جیمز گٹاف پیٹنگ

ایڈ مفسٹر پیر

یونائیٹڈ نیشنز ڈولپمنٹ پروگرام

## پیش لفظ

اس کتاب کی بنیاد اس خواہش پر رکھی گئی ہے کہ لوگوں کو سوچنے پر مائل کیا جائے۔ وہ دیکھیں کہ ہیومن ایمپن ڈینی شیفسی وائرس (HIV) آئندہ برسوں میں (جنو و دنسلوں کے درمیانی وقفعے جتنی مدت ہے) ان کی زندگیوں، ان کے کام کرنے کی صلاحیتوں اور کمیونٹی کو کس طرح متاثر کرے گا؟ ان کے بچے کس طرح اس سے متاثر ہوں گے؟ الی آبادیوں میں رہنا کیسے لگے گا؟ کہاں ان لوگوں کے کام کی نویسیت متاثر ہوگی؟ سیاسی حالات متاثر ہوں گے؟ معماشی بنیادیں متاثر ہوں گی؟ جب ہم نے لکھتے والوں کے ساتھ مل کر کام کا توہین میں دیا کہ یارے میں ایک چونکا دینے والی حقیقت کا اکٹھاف ہوا۔ جوں جوں کوئی شخص وبا کے درمیان جینا شروع کرتا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ اس کا مستقبل HIV سے پہلے کے ماضی سے کسی طور مماثل نہیں ہو گا۔ وائرس ہمارے درمیان موجود ہے۔ تبدیلی لانا اب ہماری بقا کے لئے لازمی ہے اگرچہ بیداری کی موجودہ سطح پر، ہم میں سے ہر ایک کے اندر، مستقبل کو دیکھنے کی بابت ایک گھری لپکچا ہٹ یا نظریں چرانے کا جذبہ موجود ہے۔

چنانچہ ایک ایسی کتاب جس میں وبا کے اثرات پر بات ہونا تھی، وبا کے اپنے گرد گھومتی ہوئی باولوں کی کتاب بن گئی ہے۔ یہ کتاب وبا کے اپنے خیالات کی کتاب بھی ہے۔ وبا ایک منعکس کرنے والی سطح کی صورت ہے۔ یہ معاشرے کی خرایبوں کو ایک طرح کے اطمینان کے اندر ہیرے میں پھینک دیتی ہے۔ کس طرح طاقت کو استعمال کیا جاتا ہے، جنی امتیاز کو کس طرح تعمیر کیا جاتا ہے، معماشی و معاشرتی احتصال کیے کیا جاتا ہے، اخلاقی ابہام، اور شخصی تعلقات میں یہ غلطیاں کس طرح کی جاتی ہیں؟ اس

کے ساتھ ہی یہ وبا کچھ اور جذبوں کی ثاندہی بھی کرتی ہے۔ محبت، بہادری، تعلق، وابستگی، نہادت، اتحاد اور ایمان۔ یہ ہمیں سوچنے پر مجبور کرتی ہے اور ہمیں چیخنے دیتی ہے، اس آزار سے مقابلے کے لئے جو ہماری اخلاقیات سے زیادہ ہماری زندگیوں کے باہمی انحراف کیلئے خطرہ ہے۔

اس کتاب میں جو آوازیں آپ سنیں گے، وہ مختلف علاقوں، تجھوں اور فلکرمندوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ آوازیں بتاتی ہیں کہ جہاں جہاں وائرس داخل ہوا ہے وہاں اس نے کیا بتاہی چاہی ہے۔ ہر ایک کا اپنا نقطہ نظر اور اپنی فلکرمندی ہے۔ یہ چیز اس کتاب کو شکل و صورت اور نوع عطا کرتی ہے۔ آپ کو ان مضامین میں ایک مشترک غصیر یہ دکھائی دے گا کہ ان میں ایک طرح عجلت سے کام کرنے اور جذباتی سطح پر فکر کرنے کا احساس موجود ہے۔ بعض جگہوں پر اپنے آپ اور دوسروں پر غصے کی کیفیت بھی ہے کہ اب تک کچھ بھی نہیں کیا جا سکا اور ہمت کام کرنا بھی باتی ہے۔ اس کتاب میں جو خیالات پیش کئے گئے ہیں وہ مصنفوں کے ہیں اور ضروری نہیں کہ یہ خیالات یو این ڈی پی کے بھی ہوں۔

اس کتاب میں موجود آوازوں کو زیلی ڈھالے اداز میں اس طرح منظم کیا گیا کہ ایک طرف ان خیالات کو باہر کی طرف موڑا گیا ہے۔ یعنی ایسی صورتحال کا بیان اور تجربیہ جیسے یہ وبا کس طرح پھیلتی ہے اور اس کے اثرات کیا ہیں اور یہ بھی کہ وائرس کس تیزی سے پھیل رہا ہے۔ دوسری طرف ان خیالات کو اندر کی طرف موڑا گیا ہے اور اس وائرس کے اپنی ذات اور عزز و اقارب پر اثرات کی بات کی گئی ہے۔ کتاب میں ایسی آوازوں کو بھی شامل کیا گیا ہے جو ہمیں بتاتی ہیں کہ ہمیں آج اور مستقبل کے لئے کون راستوں پر چلانا چاہئے۔

یہی لکھنے والے HIV کی وبا کو بیان کرنے اور اس پر بحث کرنے میں، زبان کے چنانچہ کی اہمیت پر بھی نور دیتے ہیں۔ انہوں نے UNDP لائنسنگ پالسی کو اس پارے میں مطلع کیا ہے اور اپنی کمائیاں بیان کی ہیں کہ کس طرح بعض اوقات زبان غلط فہمیوں اور عدم برداشت کو جنم دیتی ہے، یا بصورت دیگر کس طرح محبت اور قبول کو جنم دے سکتی ہے۔

اس کتاب کی تشكیل کے دوران UNDP چاہتی تھی کہ ترقی پذیر دنیا کی آوازوں کو زیادہ تعداد میں شامل کیا جائے اور ایک عالمی سرگرمی میں ان کی آوازوں کو زیادہ توجہ سے سنا جائے۔ نمو تھی رو تھرمل کے تعاون کے بغیر اس کتاب کی اشاعت ناممکن تھی جو ڈیوبین آف گلوبل اینڈ انٹریجنل پروگرامز کی ڈائریکٹر ہیں اور UNDP کے HIV اور ترقیاتی پروگراموں سے بھی متعلق ہیں۔ انہوں نے اپنا وقت، حوصلہ افزائی اور مشورے سے ہمیں مدد فراہم کی۔

کتاب کا بنیادی آئینڈیا نمو تھی رو تھرمل، انگر برگران، (عالمی ادارہ صحت کے نیپولارک دفتر کے ڈائریکٹر اور لائینڈ گیریسن، جیمان رحیم، فریک ہارت ویلت اور یو این ڈی پی کی میتا مارلیشن نیل پر مشتمل ایک مشاورتی بورڈ نے پیش کیا۔ میتا مارلیشن نیل نے لکھنے والوں اور اشرویوں کرنے والوں کی رہنمائی کی اور اشاعتی پروگرام اور تیکنیکی معاملات، ان کی مدد کی۔ اس منصوبے کی ابتدائی تیاری میسر فاؤنڈیشن فار ایجوکیشن اور کمپونی کیشن کے ذریعے کی گئی۔ مارسیا کلیپسی نے دو بطور سینٹر میر اس کتاب کے اور اس کی رہنمائی کی اور یو این ڈی پی کی طرف سے تحریکیں ملکوں میں۔ حتیٰ ایئرنگ کا کونا کیپیانے کی جنوں نے اپنے نو آزاد ملک تمیبا اور دیگر افریقی ممالک کے بارے میں اپنے علم اور تجربات سے اپنے کام اور ہمیں دونوں کو مستفیض کیا۔

ان کی رہنمائی کی بدولت، کتاب کے مواد میں کئی خوبیاں شامل ہو گئی ہیں یعنی سرکاری اور خجی رنگ کا ملاب، ذاتی اور غیر ذاتی انداز فکر، اس طرح کتاب میں موجود دکھائی دیتا ہے جس طرح یہ تجھیدگی وبا کے اپنے اندر موجود ہے۔

ہم خصوصی طور پر میتا مارلیشن، مائیکل بیلی، کالیا مالی نوسکا، ڈارلین چاؤز، گیل لرز، اور HIV اور ترقیاتی پروگرام کے دیگر ممبران کا شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں جنہوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس منصوبے کو کامیابی سے ہمکنار کر دیا۔ بل فرانس، ایڈیسن مائل، جارج اور سنت میکاؤنگٹھم نے بعض لکھنے والوں کے اشرویوں کے۔ پروفیسر نارمن ملنے منصوبے کے اختتامی مرافق میں ماہرانہ مشاورت فراہم کی۔ آخر میں، کرشنہ سوندھی اور کوہارین پریس کے تریش ریتلڈز بھی ہمارے شکریے کے متحقق ہیں جنہوں نے اس کتاب کے اشاعتی مرافق میں ہماری مدد کی۔

قطع نظر اس کے کہ ان کے خیالات کو کتاب میں جگہ دی گئی یا نہیں، ہم ان سب لکھنے والوں کے نہ دل سے ممنون ہیں جنہوں نے ہمیں اپنی تحریروں سے نوازا۔ ہر لکھنے والے نے دنیا کے سامنے موجود اس چیزیہ مسئلے کے بارے میں نئے انداز فکر کی جھلک دکھائی۔ ان کے خیالات کے باعث، ان کی باریک بینی کے باعث، ہمارا یہ کام زیادہ معنیر ہو گیا ہے۔

آخر میں ہم بل، بست، نورین، شرائے اور اس کے والد، وینس، سٹفین، سنڈی، میاندا، آکسیلا، ڈیلوڈ، مائیکل، رابرٹ، ہربرٹ اور بہت سے دوسرے افراد کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہتے ہیں۔ بہت سے دوسرے جن کے نام نہیں گنوائے جاسکتے۔ وہ لوگ جن کے باعث ہم یہ سب کر رہے ہیں، اور جن کے نام یہ کتاب معنون کی گئی ہے۔

ایلزتھ ریڈ

ڈائریکٹر  
HIV اور ترقیاتی پروگرام  
بے این ڈی پی

## تعارف

ایلزتھ ریڈ اقوام متحده کے ترقیاتی پروگرام (بے این ڈی پی) نیویارک میں HIV اور ترقیاتی پروگرام کی ڈائریکٹر ہیں۔ بے این ڈی پی میں ملازمت سے پہلے انہوں نے آسٹریلیا میں اس دبا سے متعلق کام کرنے والے مقامی گروپوں کے ساتھ مل کر کام کیا اور آسٹریلیا کے لئے HIV/ایڈز قومی پالیسی تکمیل دی۔ اپنی ایشیا، بخاراکال کے ممالک، مشرق وسطی اور افریقہ میں ترقیاتی مدد فراہم کرنے کا بے پناہ تجربہ حاصل ہے۔

HIV کی وبا اپنے اندر چاہی اور اندر مال دنوں کی قوت رکھتی ہے۔ ان میں سے جو بھی قوت غالب آجائے، اس سے ہمیں اپنی اور اپنے معاشرہ کی صلاحیتوں کا اندازہ ہو گا۔ اس بیماری میں میاں یووی کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کی صلاحیت ہے، یہ والدین اور بچوں کو جدا کر دیتی ہے۔ یہ ایک شخص کو دوسرے کے خلاف کر دیتی ہے، ایک کو دوسرے سے لاتعلق بنا دیتی ہے، اور بے عزتی اور غیر انسانی رویوں کو فروغ دیتی ہے۔ یہ غربت کی شدت کو بڑھاتی اور امیریوں کو غریب بنا دیتی ہے۔ یہ طاقت ور اور کمزور قوموں اور افراد کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ اب جوں اس وبا کی اصل صورتحال سامنے آ رہی ہے، متاثرہ خاندانوں اور مقامی آبادیوں میں اس کی تباہی کے اثرات ظاہر ہو رہے ہیں۔ اس کے بارے میں مختلف رو عمل سامنے آ رہے ہیں، کہیں اس کی موجودگی سے انکار کیا جاتا ہے اور کہیں چشم پوشی کی جاتی ہے۔ اس وبا کے بارے میں ذاتی علم، اس کے اثرات کا ذاتی تجربہ، اور مستقبل کے بارے میں خوفناک تاثر کے باعث ایک فکرمندی اور اس کے جلدی ازاں کا جواہر احساس پیدا ہوا ہے، وہ اس کتاب میں شامل تمام مضامین میں دیکھا جا سکتا ہے۔

انسانی فطرت میں غلطی کرنے کی جو کمزوری موجود ہے اس کے باعث وہ صورت پیدا ہو جاتی ہے جسے مارلوس ایم مالوی نے "خاموشی کی سازش" کہا ہے۔ احساسات اور خدشات پر توجہ نہیں دی جاتی۔ اپنے پیارے بیمار ہو جاتے ہیں اور ہم خاموش رہتے ہیں۔ مستقبل کا خیال کئے بغیر پچھے پیدا ہو رہے ہیں۔ اس تکلیف وہ صورت حال میں، شوہر اور بیویاں ایک دوسرے کے لئے ابھی ہو جاتے ہیں۔ خاندان ایک دوسرے سے اپنا دکھ نہیں کرتے، پچھے ایک ان جانے خوف میں بیٹلا ہو جاتے ہیں۔ جب لوگ ایسی خاموشی کی لپیٹ میں ہوں تو جنسی جذبات ایک خاموش ڈرامے کی شکل میں اپنا اظہار کرتے ہیں۔ والدین اپنے بچوں سے بات کرنا نہیں چاہتے۔ رفتائے کار کام کے مستقبل کے بارے میں بات نہیں کرتے۔

سیاسی رہنماؤں کو بات کرنے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔ اس وبا کی تباہ کن طاقتیں اس رازداری میں پھلتی پھولتی ہیں جیسا کہ ہربرٹ ریڈ نے کہا ہے "عوامی پالیسیاں، جو خوف، شرمندگی، احساس جرم اور رازداری کو فرغ دیتی ہیں، واکی ساختی میں جاتی ہیں"۔

جب والریں کسی معاشرہ پر خاندان میں داخل ہوتا ہے تو ایک ناقابل بخشش سور تھال جنم لیتی ہے۔ ہر روز 6 ہزار یا زیادہ افراد بیمار ہو جاتے ہیں۔ محبت اور لطف کے باعث انہیں احساس نہیں ہوتا کہ ایک اچانک تبدیلی رونما ہو چکی ہے۔ زندگی جاری رہتی ہے اور یہ لوگ والریں کو دوسروں تک پھیلاتے چلے جاتے ہیں جن میں ان کے اہل و عیال بھی شامل ہوتے ہیں۔ چنانچہ بالغ افراد کی موت کا باعث بننے والی جنگوں کے بر عکس یہاں پورے کنبے پر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ دونوں والدین اور ایک یا زیادہ چھوٹے پچھے انفیکشن میں بیٹلا ہو جاتے ہیں۔ وہ بغیر تک کے زندگی گزارتے چلے جاتے ہیں تاوقیتیں ان میں کوئی ایک جو اکثر پچھے ہوتا ہے، بیمار ہو جاتا ہے۔ دکھ کا آغاز اس وقت ہوتا ہے جب HIV یا ایڈز تشخیص کی جاتی ہے۔

اس وبا کے دو جذباتی صدموں میں سے ایک صدمہ درد ہے۔ خود تکلیف، دکھ اور تکلیف نہ ختم ہونے والے آزار ہیں۔ کیا میں بھی بیمار ہوں؟ کیا مر جاؤں گا؟ کیا میرے والدین مرنے والے ہیں؟ کیا مجھے مورد الزام ٹھہرایا جائے گا؟ میرے بچوں کا کیا

ہو گا؟ میرا کیا ہو گا؟ ہربرٹ ڈینیل نے لکھا ہے "اس وبا کا پہلا تجربہ شدید اخلاقی تکلیف کا تجربہ ہوتا ہے"۔

ترقی پذیر ممالک میں لوگوں کو اس وقت انفیکشن میں بیٹلا ہونے کا پتہ چلتا ہے جب وہ بیماری کے آخری مراضی میں ہوتے ہیں۔ تب وقت نہیں ہوتا کہ چیزوں کو ترتیب دیا جاسکے، خدا اور اپنے پیاروں سے سلامتی کی صورت پیدا کی جاسکے، اپنے بچوں اور ساتھیوں تک علم اور ہنر پہنچائے جا سکیں یا متأثرین کے مستقبل کے لئے منسوبہ بندی کی جاسکے۔ والریں کے ساتھ زندہ رہنا سمجھنے کے لئے وقت ہی نہیں پختا۔ یہ جان کر کہ ان کے والدین بیمار ہیں، پچھے خوفزدہ اور غیر محفوظ محسوس کرتے ہیں۔ ان کا کیا ہو گا؟ موت ان سے ایک ایسا فرد چھین لیتی ہے جس سے وہ محبت کرتے ہیں، پھر دوسرا پھر تیسا۔ والدین کی بیماری ایسے دکھ میں بیٹلا کر دیتی ہے کہ وہ جیسے کی خواہش کھو بیٹھتے ہیں۔ وہ تکلیف کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتے۔ والدین کی بوت کے باعث، پچھے اکثر اوقات اکٹھے رہنے اور نجح جانے میں دشواری محسوس کرتے ہیں۔ اگر کوئی ان کی دیکھ بھال اور مردنے کے تواریخ مایوس ہو جاتے ہیں، شروع میں ادھر اور ہر بھل جاتے ہیں، پیاروں میں والروں میں شروع کرتے ہیں، ذمیت اور رہنڈی بازی میں بیٹلا ہو جاتے ہیں۔

دنیا میں ایسے علاقوں کی تعداد بڑھ رہی ہے جہاں یہ تقدیر تھوڑے نہیں درجنوں خاندانوں کی تقدیر بن رہی ہے، اور بعض علاقوں میں تو ایک چوتھائی خاندانوں کی۔ اگر یہ ناقابل برداشت مرض اسی طرح پھیلتا رہا تو قوموں کی زندگی کو ہی خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ ایسے مستقبل کی جھلکیاں ان مضمایں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ اماری ہارونتا کو کول کا اپنے اور اپنی بیٹنے سے متعلق خوف، ایسی موادی کا فیصلہ کہ وہ اپنے خاوند کو ایسے خطرے میں ڈالنے کی اجازت نہیں دے گی، گوڈفرے سیلی کے خوفزدہ اور خاموش ہوست، جان روز فرینکلن کی ان دیکھے جیکا کے بارے میں کہانیاں، ان نوجوان اور توں کی پریشانی جن کے ساتھ اینا ویسکانیسلوز کام کرتی ہے اور وہ دکھ میں بیٹلا کئے جنہیں ٹڑپا جے۔ کالی جیگ مشورے دیتی ہے۔

لیکن اس وبا کے قلب میں کہیں، مندل کرنے کی قوت بھی موجود ہے، امید کی

سے جنم لیتی ہے اور قصور کرنے کی یہ پراسرار صلاحیت، روح میں جنم لیتی ہے۔ اس لئے۔ اس دبائے بارے میں تمام ترا فردوگی کے باوجودو۔ جہاں بھی لوگ ایک دوسرے کا خیال کرتے ہیں، امید پیدا ہوتی ہے۔ ایسے خاندان سے محبت اور پڑوی کے لئے فکرمندی، خوف کی جگہ لیتی ہے۔ جہاں ایک شخص آگے بڑھ کر دوسرے کی مدد کرنے لگتا ہے وہاں امید پیدا ہوتی ہے۔ یہ امید غیر حقیقت پسندانہ نہیں ہے۔ یہ مقابلے کی صلاحیت، اور زندہ رہنے کی امگ کے اکشاف میں گندھی ہوتی ہے اور اس جذبے اور قوت سے بھری ہوتی ہے جو زندہ رہنے پر آمادہ کرتی ہے۔ یہ قصور کرنے کی صلاحیت میں گندھی ہوتی ہے اور یہی وہ واحد چیز ہے جو لوگوں کو اس نقصان اور نہ ختم ہونے والے درد سے نکال لے جائے گی۔ ایمان کی بیعت لکھتا ہے "امید زندگی کی عمارت کا بنیادی پتھر ہے"۔

اس کتاب کا سب سے پر زور مطالبہ یہ ہے کہ اس دبائے بارے میں خابطہ اخلاق کو مرتب کیا جائے۔ ایسے اخلاقی اصول وضع کئے جائیں جو ہماری سوچ اور رو عمل کی رہنمائی کریں لیکن ایسی اخلاقیات نہیں جو الزام تراشی، دوسروں کی اصلاح یا فزار سے تعلق رکھتی ہو۔

اکثر اوقات پہلا رو عمل یہ ہوتا ہے کہ ایسے مریض کو علیحدہ کر دیا جائے۔ اس طرح اسے سزا دی جائے حالانکہ ایسے وقت وہ لوگ خود شرمندگی محسوس کر رہے ہوتے ہیں۔ اس کتاب میں فرانس سے محبت، ایک دوسرے کا خیال رکھنا، ایک ہونا، تعلق، برادری اور امداد کے تصورات کو سامنے لایا گیا ہے۔ "ہمیں رواتی شفاقتی اقدار میں "تلنگن" جیسی قدر کو زندہ رکھنا چاہئے جو کسی بھی آبادی میں تعلق اور شمولیت پر اصرار کرتی ہے۔ اور "ڈیمانیہ" کی روح کے مطابق آبادیوں میں مدد اور ایک ہونے کے احساس کو فروغ دیتی ہے۔ نک ڈیو کیپو اور جو مر فلیرس کہتے ہیں "ہمیں بحران اور تباہی کی زبان سے دور ہو جانا چاہئے جو HIV سے متعلق مباحثوں میں داخل ہو چکی ہے۔ ہمیں ایک ایسی زبان وضع کرنے کی ضرورت ہے جو ناامیدی کی بجائے امید کو تصوری برائے۔ اور اوماری ہارونا کو کول کہتی ہے "HIV ہماری اجتماعی بیماری ہے"۔ ہمیں ایسی لغت کی ضرورت ہے جو ذمہ داری، ارادہ اور جہاں ضروری ہو وہاں

روشنی، نہی کی آواز اور محبت کی کوالٹی بھی موجود ہے۔ یہ دوسرا جذباتی پلو ہے۔ ایک پیغمبرانہ اہمیت کا نشان۔ اس میں صلاحیت ہے کہ وہ لوگوں کی بھرمن صلاحیتوں کو سامنے لائے۔ جیسا کہ ہم ان مضمین میں دیکھتے ہیں۔ یہ انسانی فطرت اور تعلقات کے بارے میں گھری نظر پیدا کرتی ہے۔ اس دبائے کو سمجھنے اور اس سے متعلق رو عمل ظاہر کرنے کے لئے ہمیں روزمرہ زندگی اور انسانی فطرت کی تمام ترا پیچیدگیوں، تضادات، اور انسانی رشتہوں کی تہہ داریوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

یہ دبائے لوگوں کو چیلنج کرتی ہے کہ وہ اپنے اندر اس سے محفوظ رہنے کی خواہش پیدا کریں اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے پر آمادہ کریں۔ یہ محنت مدد اور بیمار دونوں طرح کے لوگوں میں زندہ رہنے کی خواہش پیدا کرتی ہے۔ "مجھے HIV ہے اور میں زندہ ہوں" ہر بڑ ڈینفل اپنے آج اور آنے والے کل کا استقبال یوں کرتا ہے۔ غیر رواتی طور پر شاید لوگ اس کے قابو میں آگئے ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے بات چیت کا تھاوار کرتے ہیں، کل کر بات کرتے ہیں، تھنڈیں اور گروہ بناتے ہیں، تاکہ وہ ایک مختلف زندگی، ایک مختلف مستقبل کا خواب دیکھ سکیں۔ وہ خاموشی کو توڑنے کا آغاز کرتے ہیں۔

ایسی دبائے درمیان رہنا گویا ایک چیلنج قبول کرنا ہے۔ نک ڈیو کیپو اور جو مار فلیرس کہتے ہیں "ہم ناامید لوگ نہیں ہیں، ہم بچ جانے والوں کی قوم ہیں جو بربادی اور تباہی کا آسان شکار نہیں بننے"۔ یہی وہ خوبی ہے جو امید کو حق بجانب قرار دیتی ہے اور ہنسنے کی اجازت دیتی ہے۔ یہ ایک ایسی صلاحیت ہے جو آشوب کے زمانہ میں مقابلے کرنے اور اپنے آپ کو حالات کے مطابق ڈھانلنے کی ہمت عطا کرتی ہے۔

لیکن یہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہے۔ یہ ایک تبدیل کر دینے والی قوت ہے جو تصور میں چھپی ہوئی ہے اور جو جیسا ہے، کو جیسا ہونا چاہئے، میں بد لئے کامکان پیدا کرتی ہے۔ یہ قوت، خاموشی، خوف، ماننے سے انکار، غرض تمام انسانی رو عمل کو تبدیل کر کے، ایک واپسی اور تعلق پیدا کر دیتی ہے۔ سچنے سمجھنے کی صلاحیت، اپنی ذات اور دوسروں کے لئے ایک وحشت پیدا کرتی ہے۔ دنیا اور اس کے بے کنار مستقبل کو کشادگی عطا کرتی ہے۔ یہ مغلون کر دینے والی خاموشی کو کمزور کرتی ہے۔ حقیقت تصور

”قتل“ کا مطلبہ کرے۔ ”لاتعداد خواتین جنوں نے اپنے شوہروں کے سوا کسی اور سے جنسی تعلقات نہیں رکھے، وہ اپنے خاوندوں کے رویے کے باعث اس واٹس کا شکار ہو رہی ہیں۔ یہ رابرٹ موگامینا کے الفاظ ہیں۔ لیکن ان الفاظ کی گونج بہت سے دوسرے مضامین میں بھی سنائی دے گی۔ ایسا قانونی نظام جو عورتوں کو قانونی امداد فراہم نہیں کرتا، یا بیماروں کو سزا دینے کی بات کرتا ہے، اسے تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ مارلوس والوی بحث کرتی ہیں کہ حکومتوں کو ان کی بے عملی کی سزا ملنی چاہئے۔ اس اخلاقی ضابطے میں مذہبی اداروں اور دیکھوں کو شامل کیا جانا چاہئے۔ لیکن یہ کام ان پر پوری طرح نہیں چھوڑ دینا چاہئے۔ اس میں ہر شخص ملوث ہے اور ہر شخص کو اختساب لئے دستیاب ہونا چاہئے۔

اس کے لئے جن اصولوں کی تلاش کی جا رہی ہے وہ اس روایتی اخلاقی لغت میں موجود نہیں ہیں جو انسانی حقوق اور انصاف کی بات برتاتی ہے۔ بلکہ یہ اصول تعلق، محبت، یکتاںی، برادری اور اعتماد جیسے اخلاقی تصورات سے وابستے ہیں۔ یہ ایسی اصطلاحیں ہیں جو انسانوں کے باہمی تعلقات سے متعلق ہیں اور کسی ایک شخص سے منسوب نہیں ہیں۔ اس لئے ان اصولوں میں باہمی انصار کا اخلاقی تصور مرکزی حیثیت اختیار کرتا دکھائی دیتا ہے۔ مارلوس والوی کے بقول ”جدید معاشروں میں کبھی ایسا وقت نہیں آیا جب ہماری بقا کے لئے انسانوں کا ایک دوسرے پر انصار اس قدر کلیدی اہمیت اختیار کر گیا ہو۔“

باہمی تعلق اور شرکت کے اس ضابط اخلاق میں حقوق، ذمہ داریوں اور سماجی انصاف کے لئے کافی گنجائش موجود ہے۔ اس پوری کتاب میں HIV اور ایڈز کے قوی پروگراموں میں ایسے اصولوں اور ایسی زبان کی عدم موجودگی پر افسوس کا اظہار کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر شامانٹ راج پیشہ و راست اخلاقیات کی ایک بڑی خانی کا ذکر کرتی ہیں کہ ایک ڈاکٹر نے ایک عورت کو اس کے HIV میں مبتلا ہونے کی خبر دینے سے انکار کر دیا لیکن ایک اخبار نے اس کے متعلق بتانے میں کوئی دیر نہیں کی۔ میری ذیلی کہتی ہے ”بیٹھ میں مردوں کی تربیت پر نور نہ دینے کے باعث، حفظان صحت کی پالیسیوں میں مردوں کو ذمہ داری سے مبرأ قرار دیا جاتا ہے جبکہ اس یقین کو تقویت

پہنچائی جاتی ہے کہ HIV عورتوں کی بیماری ہے۔ ڈیبورا ڈی ٹیپول کہتی ہیں ”یہ انسانی حقوق کا مسئلہ ہے۔ ایسے قوانین تبدیل ہونے چاہیے اور ان حقوق کی حمایت میں نہیں قانون سازی کی جانی چاہئے۔“ ہر برٹ ڈینیل کہتے ہیں ”میں ایک ایسی موت مر رہا تھا جسے میں معاشرتی موت کہہ سکتا ہوں۔ ایسی موت جس میں تمام انسانی حقوق غائب تھے۔“

حقوق اور انصاف کے ان تصورات کو باہمی امداد اور انصار کی اخلاقیات میں شامل کیا جانا چاہئے۔ باہمی انصار کی کئی صورتیں اس کتاب میں بیان ہوئی ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں پہلا ہے مردوں اور عورتوں کا باہمی انصار۔ اس کتاب میں موجود خیالات ظاہر کرتے ہیں کہ عورت تہا وائز کو ختم کرنے کا کام نہیں کر سکتی اور نہ ہی وہ اس واٹس کے انفرادی، سماجی اور معماشی بوجہ اکیلے اٹھ سکتی ہے۔ وہ عادات اور رویے جن کے باعث عورت کو کمزور خیال کیا جاتا ہے، انہیں تبدیل ہونا چاہئے۔ یوہی کی دراثت، خاوند کی موت کے بعد جائیداد کر چھین لیا جائیں غیر فطری جنسی عمل کا نشانہ بنانا، پیدا ہونے والی لڑکیوں کو مار دینا، شادی یا اس کے علاوہ زنا باجبر کرنا، بھیر اور بست کی دوسری چیزیں ایسی ہیں جن میں مردوں کو ملوث کرنا بہت ضروری ہے اور ایسے طریقے ڈھونڈنے چاہیے جن سے مدد ملوث ہوں۔ مار گریٹ مانگولا کے مشورے کے مطابق مرد عورت کا مقابلہ کرنے کی بجائے اشتراک عمل پر توجہ دینے سے یہ کام ہو سکتا ہے۔ ایسی کہانیاں سامنے آتا شروع ہو گئی ہیں جن کے مطابق خاوندوں اور بیویوں کے تعلقات میں تبدیلی آ رہی ہے اور نوجوان عورتیں، حفاظت کی گارنٹی کے بغیر جنسی تعلقات قائم کرنے سے انکار کر رہی ہیں۔ لیکن ابھی یہ واقعات بہت کم اور خال ہو رہے ہیں۔ اکثر عورتیں محسوس کرتی ہیں کہ وہ اپنی اور اپنے بچوں کی حفاظت نہیں کر سکتیں جب تک مرد اور عورت باہمی احترام اور اعتبار کی بنیاد پر تعلقات استوار نہیں کر لیتے، اور جب تک وہ اداہی اور درد، ویکھ بھال اور مشاورت کے بوجھ کو آپس میں بانٹ نہیں لیتے، اس وبا پر کبھی قابو نہیں پایا جاسکے گا۔

بیماری سے متاثر اور ان لوگوں کے درمیان جو ابھی براہ راست متاثر نہیں

ہوئے، باہمی انحصار ایک دوسری صورت ہے۔ بیمار لوگ اور ان کے قریبی عزیز، سب سے زیادہ موثر کام کرنے والے اور تبدیلی کے نمائندے ہیں جنہیں اس وبا نے آگے کر دیا ہے۔ وہ ہمیں اس حقیقت کی جھلکیاں دکھاتے ہیں کہ کس طرح یہ ایک الیہ انسان کو زیادہ با اختیار بنا دیتا ہے۔ ان کی طرف سے آواز اٹھائے بغیر، لوگوں کو کبھی معلوم نہیں ہو سکتا کہ کس حد تک وائز ان کے خاندانوں اور آبادیوں میں داخل ہو چکا ہے اور لوگوں کی زندگی پر اس کے کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ متاثرہ افراد ہمیں مضبوط کردار کے نمونے دکھاتے ہیں اور لوگوں کو بتاتے ہیں کہ کیسے وہ اس وبا کے ساتھ بے خوف ہو کر باعزت طریقے سے زندہ رہ سکتے ہیں۔ وہ لوگوں کو یہ سمجھنے میں مدد دے رہے ہیں کہ اس وائز کے دور میں وہ کس طرح جنسی خواہش اور جنسی جذبات کا اظہار کریں۔ بیمار لوگ۔ جو اب خاصی تعداد میں ہیں، شاید وہ مضبوط ترین ذریعہ ہیں جو قوموں کے پاس موجود ہے۔ لیکن وہ چھپے ہوئے اور خاموش رہیں گے اگر انہیں بخوبی صورت میں بے عزتی، رہ سکا یا ایتیازی سلوک کا نشانہ بنا جائے گا اور انہیں بغیر مدد کے ایسا چھوڑ دیا جائے گا۔ اس وبا کے ساتھ میں وہ اور ہم آنے والے سے متاثر ہیں خواہ برہ راست ہوں یا بالواسطہ طریقے سے کیونکہ ہم سب اس کے اندر رہ رہے ہیں۔

باہمی انحصار کی تیسرا شکل موجودہ اور آنے والی نسل کے درمیان ہے۔ سادہ ترین الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ نسل، آنکہ نسل کو زندگی کا تحفہ دینے کی مقروض ہے۔ اس لئے کہ ہم نے اسے تخلیق کیا ہے۔ اس کے باوجود جیسا کہ نورین کلیبا نشاندہ کرتی ہیں کہ اس نسل کے اکثر مرد ہی ہیں جو بعض اوقات نہایت ظالمانہ انداز سے نئی نسل کی لڑکیوں اور نوجوان عورتوں کو بیمار کر رہے ہیں۔ ہمیں نئی نسل کو ایک اور قرض بھی لوٹانا ہے، اور وہ زندہ رہنے کے قابل زندگی کی فراہمی ہے۔ اس لئے اس نسل کی شرم اور خاموشی کو ایک طرف رکھنا پڑے گا جیسا کہ ٹریسا کالی جیسی کنتی ہیں تاکہ والدین اپنے بچوں کو بتا سکیں کہ یہ بیماری کیسے لگتی ہے اور پھیلتی ہے۔ انہیں ہر ممکن مدد فراہم کی جانی چاہئے جس کے باعث وہ زیادہ سے زیادہ عرصہ زندہ رہ

سکیں، اپنے بچوں کی دیکھ بھال کر سکیں اور ان کے ہاتھوں اپنی دیکھ بھال کر سکیں۔ آنکہ نسل کو اس نسل کے معدوم ہو جانے والوں، یعنی اپنے والدین کے خلا کو پر کرنے کے لئے بہت کچھ کرنا پڑے گا۔

چوتھی قسم کے باہمی انحصار کی مثال حکومتوں اور آبادیوں کے درمیان باہمی انحصار ہے۔ ہر جگہ وائز پہلیتا ہے اور افراد اور آبادیاں اپنا رد عمل ظاہر کرتی ہیں۔ ان کا رد عمل ہمیں امید دیتا ہے کہ اس وبا پر قابو پایا جا سکتا ہے اور سوچہ بوجھ اور پختہ ارادے کے ساتھ کس طرح یہ سب کچھ کرنا ممکن ہے۔ لیکن رد عمل ظاہر کرنے کی ذمہ داری محض افراد، خاندانوں اور آبادیوں پر ہی عائد نہیں ہوتی۔ حکومتوں کو بھی چاہئے کہ وہ مناسب ماحول فراہم کریں، خصوصاً ایک مناسب، اخلاقی، قانونی اور انسانی حقوق کے تحفظ کا ماحول پیدا کریں، جس میں رد عمل کا برطا انحصار کیا جا سکتا ہو۔ حکومتوں کو یقین دلانا چاہئے کہ ضروری اشیا اور خدمات مثلاً کنڈوم، رضاکارانہ مشاورت، یست کرنے کی سروتیں وغیرہ، بہ آسانی اور مناسب تیوں پر فراہم کی جائیں گی۔

معاشرے کی قوانین، خواراں، غور و خوض پر صرف کئے جانے والا وقت، مشاورت کی فراہمی، ٹرانسپورٹ کی دستیابی، محنت، فنڈز اور بچے جن کی دیکھ بھال کی جاتی ہے وغیرہ سب اس میں شامل ہیں۔ ان وسائل کو تقویت ملنی چاہئے۔ یہ وسائل لامحدود نہیں بلکہ وہ اس وبا کے ہاتھوں ختم ہو رہے ہیں۔ یہ وسائل عام طور پر کافی نہیں ہوتے۔ ہر کیونٹی اور اس کی تنظیموں کو معلوم ہے کہ انہیں اپنی جدوجہد جاری رکھنے کے لئے کن اضافی وسائل کی ضرورت ہے۔ انہیں یہ اختیار ملنا چاہئے کہ وہ دوسروں کے سامنے ان وسائل کا تذکرہ کر سکیں، انہیں چن سکیں، انہیں استعمال میں لا سکیں اور اس استعمال کے بارے میں خود احتسابی سے گذریں۔

کیونٹی تنظیموں اور حکومتوں کے درمیان ایک ایسے معاشرتی معاملے کی ضرورت ہے جس میں ان کی قوتیں، حقوق اور ذمہ داریوں کو جداگانہ طور پر شناخت کیا جاسکے۔ اور ایسے طریقوں کو دریافت کیا جاسکے جو ان میں رابطہ پیدا کر سکیں۔ ایک دوسرے کے تجربات اور مشاہدات سے فائدہ اٹھا سکیں اور اکٹھے کام کر سکیں۔

باقاعدہ یا بے قاعدہ طور پر ہونے والا یہ معاشرتی معاهدہ، باہمی احترام اور اخبار پر قائم ہونا چاہئے۔ ممکن ہے یہ کام آسان نہ ہو لیکن اسے ہوتا ضرور چاہئے۔ باہمی انحصار کی پانچویں شکل جو اس کتاب میں اکثر مقالات پر بیان کی گئی ہے، قوموں کے درمیان باہمی انحصار ہے۔ وائرس کے پھیلاؤ کا طریقہ یعنی کوئی قومی اور افراد متأثر ہوتے ہیں اور کتنی جلدی متأثر ہوتے ہیں۔ اقوام کے درمیان معاشرتی و معاشری تہمواری اور امیر اور غریب کا فرق ایک ہی چیز ہے۔ وہ وقت کب آئے گا جب اس حقیقت کو دنیا تسلیم کرے گی؟ اس دبا کے ہاتھوں مختلف قوموں کے معاشری اور معاشرتی بحران کا شکار ہونے کے امکانات کو اب بہتر طور پر سمجھا جا رہا ہے۔ بعض اقوام مکمل تباہی کے دہانے پر پہنچ سکتی ہیں۔ کیا عالمی برادری اس طرف توجہ دے گی؟ یا پھر عالمی برادری نفسیاتی امداد میں وقت لگائے گی؟ کیا وہ تعلیم، صحت اور یکٹا ناوجہ اور یکمیکی تعاون میں سرمایہ کاری کرے گی تاکہ یہ قومیں تباہ ہونے سے محفوظ رہ جائیں؟ کیا عالمی سطح پر ایسے معاشرتی حفاظتی جال بچائے جائیں گے کہ دبا کے ہاتھوں جو اقسام بے عمل ہو رہی ہیں ان کی بقا ممکن ہو سکے۔

رتیقاتی مدد کے موجودہ نظام سے باعث وہ وقت قریب آ رہا ہے جب دنیا ایک حفاظتی حصہ بنائے گی۔ ابھی تک اس نظام میں ایسے مقصد کو پورا کرنے کی صلاحیت کا سکھیں فقدان ہے۔ یہ فوری ضروریات پوری کرنے میں ناکافی ہے۔ تعلیم، صحت یا روزگار کے موقع پیدا کرنے پر بہت کم خرچ کیا جا رہا ہے۔ اگر غیر ملکی امداد کو عالمی معاشرتی حفاظتی حصہ بنانے کا ذریعہ بنانا ہے تو اسے ضرورت کے مطابق، کافی لپک دار اصولوں پر چلتا ہو گا۔

باہمی انحصار کی تمام اقسام میں، دو انتہائی موجود ہیں۔ کمزور اور طاقت ور، حاوی اور دبے ہوئے، مرکزی حیثیت کے حامل اور کناروں کی طرف دھکیلے جانے والے۔ عورتوں، متأثرین، آئندہ نسلوں، آبادیوں اور کمزور اقوام کا انتیازی نشان ہے ان کی بے اختیاری۔ انہیں اپنی تقدیر پر کوئی اختیار نہیں ہے۔ ان میں مجموعی تنظیم کا فقدان ہے اور وہ سودے بازی کی حیثیت میں نہیں ہیں۔ یہ وہ عدم توازن ہے جس میں وہ زندہ ہیں۔ نئی طرح کی رفاقتیں پیدا کرنے اور ان باہمی انحصار کرنے والے

گروہوں کے درمیان نئے معاشرتی رابطوں کے لئے، سوسائٹی میں بنیادی تبدیلی کی ضرورت ہے۔ وہ تبدیلی جو مباحثہ میں حاوی ہونے کا حق دیتی ہے، بات کرنے، نماہندگی کرنے، اور نئے معاشرتی تعلقات کی خوبصوریوں پر اختیار حاصل کرنے کا حق دیتی ہے۔

بے اختیاروں کو کھل کر بات کرنی پڑے گی۔ انہیں اپنے حقوق بلکہ اپنی زندگیوں کے لئے بات چیت اور سودے بازی کرنی پڑے گی۔ ایسا نہیں ہے کہ عورتوں اور نوجوان لڑکیوں کو علم نہیں کہ ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے اور وہ اینیشن کا شکار ہونے سے ڈرتی نہیں ہیں۔ دراصل وہ اپنے اندر کچھ کرنے کی سکت نہیں پاتیں۔ ”کون ہے جو ان عورتوں اور بیویوں کی کراہیں سن سکے؟ اکثر اوقات ان کی آوازیں ہمارے معاشروں میں نہیں سنی جاتیں۔“ ایکالدیگر کہتی ہیں کہ استھان، تشدد، منقی محضی تصورات اور معاشرتی نفت جنسی منڈی میں کام کرنے والی عورتوں کو بالآخر غذور بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ یہ تجھے ایک یا دوسرے طریقے سے ان کا شرک تجھے بن جاتا ہے۔

اس لئے اس قسم کے باہمی انحصار کو شناخت کرنے اور قائم کرنے کے لئے یہ ضروری شرط ہے کہ جو لوگ متأثر ہوئے ہیں وہ اکٹھے ہو جائیں اور اکٹھے رہیں۔ یہ گولفرے سیلی کے مضمون ٹینڈیٹا کے مردوں کی المناک ناکامی میں دیکھا جا سکتا ہے کہ وہ مردوں کے ساتھ جنس کرتے تھے اور شرم اور رازداری کو توڑ کر بالآخر ایک ہونے کے احساس تک پہنچ گئے۔ ایک ایسے تعلق میں جڑ گئے جس کی بدولت وہ اپنی بہترین مدد خود بن گئے۔ نک ڈی اوکپو اور جومار فلیرس کا بھی مشاہدہ ہے کہ فلاپائن میں ہم جنس پرست مردوں میں یہ عمل شروع میں ست رفتار تھا۔ کیونکہ وہ غیر منظم اور بے ہوئے تھے۔ اس لئے کہ انہیں بھی اسی طبقاتی اونچی بیچ، نسل پرستی، اور دو جنسی معاشرے کے انتیازی سلوک کا سامنا تھا۔ متأثر افراد کے درمیان اتحاد کی اہمیت کا اندازہ پیغیریشا برک کے ان خدشات میں بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ جیسا کا پسلے سے کمزور خاندانی ڈھانچہ منید تباہ ہو جائے گا۔

لیکن اس اعتماد اور کمزوریوں کے اس ملاپ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے کہ اس سے

دوسروں سے علیحدگی پیدا ہو یا خود کو تباہ کرنے کی حد بندیاں پیدا ہو جائیں۔ نہ یہ کرنا چاہئے کہ یہ ہم میں سے ہے اور وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ بیمار ہو جانے والوں کو جگہ اور وقت کی ضرورت ہے تاکہ وہ ایک دوسرے سے بات کر سکیں کہ وہ بیمار ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی انہیں اپنے اہل و عیال سے بھی بات کرنے کی ضرورت ہے۔ متاثرین کی باروری میں ہر شخص شامل ہے۔ کمزور ہو یا طاقت ور، کوئی تن تباہ اس وبا سے فجع کرنیس نہیں نکل سکتا۔ اگر دنیا کو تقییم نہیں ہوتا تو سیاسی رہنماؤں کو ایسے حالات پیدا کرنے ہوں گے جن میں لوگ خود فیصلے کر سکیں نہ کہ ان پر فیصلے مسلط کر دیئے جائیں۔

اس وبا کے نقصانات اور تکالیف اکثر لوگوں کے لئے پہلے ہی ناقابل برداشت ہیں۔ لیکن اس میں بھی کچھ مثبت پہلو موجود ہیں۔ جیسا کہ کیمیل کہتے ہیں کہ ہر بھرجن میں ایک بے طاقتی کے احساس کا وقت آتا ہے اور بوجہ برداشت کرنے کی بجائے، بوجہ بانٹنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ وقت سچائی کے بیان کا وقت ہے۔ تکلیف وہ خاموشی کے خاتمے اور ایک دوسرے کے قریب آنے کے آغاز کا وقت ہے۔ صورت حال اکٹھے ہونے کی بغاید فراہم کرتی ہے۔

اس لئے، باتیں کرنا ہی اندماں کی بنیاد ہے اور وبا سے مقابلے کی بنیادی حکمت عملی ہے۔ لیکن یہ حکمت عملی کمیں اور پیدا ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر، لا بیریا میں جب جنگ کی چیزہ دستیوں کا شکار عورتوں کو بولنے کا امکان دکھائی دیا تو گفتگو کے فن نے ان کے لئے اپنے پیاروں کا ماتم کرنے کو ممکن بنایا۔ انہوں نے کہا کہ خوارک اور کپڑے ملنا، نہ ملنا ان کے لئے قطعاً اہم نہیں۔ یہ گفتگو ہی تھی جس کے باعث ان کے اندر زندہ رہنے کی امکان پیدا ہوئی اور جیسا کہ شیلماٹ راج نشاندہی کرتی ہیں۔ لوگ ان مسائل پر بات کرنے کا اختیار حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ بیمار ہونے سے بچنے کی باتیں، بیمار ہونے کے خوف کی باتیں، محبت کرنے اور کسی بیمار آدمی کے ساتھ بخ سن کرنے کی باتیں، اور موت کے خوف کی باتیں۔ لیکن وہ نہیں جانتے کہ وہ ایسا کہاں اور کیسے کر سکتے ہیں۔

تاہم سچائی بیان کرنا، مشکل اور تکلیف وہ ہوتا ہے۔ خاموشی کی طرف پسپائی

ناگزیر ہے اور خاص طور پر جب بیان کرنے سے ہمیت اور وحکم اور عزت نفس سے انکار ملتا ہو۔ خاموشی اور درد کی طرف لوگوں اور قوموں کی پسپائی، بار بار ہو سکتی ہے۔ گفتگو اور دکھ کا اشتراک رک سکتا ہے لیکن تکلیف اور نقصان نہیں رکیں گے۔ وہ بڑھتے جائیں گے اور اس حد تک اکٹھے ہو جائیں گے کہ انہیں خاموشی سے برداشت کرنا ایک بار پھر ناممکن ہو جائے گا۔

اتخادر، امید اور اس وبا کے زخمیوں کا اندماں نازک چیزیں ہیں۔ انہیں احتیاط سے حفاظت سے اور حوصلہ سے بحال رکھا جاسکتا ہے۔ ان کے لئے پناہ گاہیں بنانی پڑیں گی، جہاں اینا ویسکونسینلو کے الفاظ میں لوگ بینہ کر بات کر سکیں، آرام کر سکیں، خواب دیکھ سکیں، سوچ سکیں اور جنت تک پہنچنے کے راستے تلاش کر سکیں اور جیسا کہ اس نے اپنے مضمون میں بتایا ہے کہ جنت میں پہنچنے کے لئے خود شناخت کے سفر پر لکھنا پڑتا ہے، ایک ایسا سفر جو وقت اور خود آگاہی کی طرف لے جاتا ہے۔ اپنی ذات کی جانب سفر۔ یہ ایک فرد اور مجھی تصور کا سفر ہے!

ڈاکٹر ابتعاج خرم (پاکستان)

## ایڈز—ایک جائزہ

فلم بڑی ذریست تھی۔ کمشن پلیس میک ملن نے ذاتی دلچسپی اور زیارت سے مجرموں کی تمام کوششیں ناکام بنا دیں اور بالآخر مجرموں کو پولس نے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا اور یوں وہ اپنے انبار کو پہنچے۔

ہم سب ٹی وی کے گرد جمع بڑی دلچسپی اور یہ رانی سے "میک ملن ایڈز و ائف" کی تازہ قسط دیکھ رہے تھے۔ کسی نے نہ لما۔ اگر اس فلم میں راک ہڈن نہ ہوتا تو فلم میں مزہ بالکل نہ ہوتا!"

بات اپنی جگہ بالکل درست تھی۔ راک ہڈن بھی کمال اداکار تھا۔ جو کروار کرتا اسی میں ڈھل جاتا اور یوں محسوس ہوتا جیسے اسے ہی سامنے رکھ کر یہ کروار تحقیق کیا گیا ہو۔

یہ ٹی وی کے گرد گزری ایک شام آئی تھی اور گزر بھی گئی۔ نہ جانے کتنے ہی ہفتے آئے اور گئے جب ہم سب نے اسی ذوق و شوق سے میک ملن ایڈز و ائف کی نئی اقسام دیکھیں۔ اور پھر ٹی وی سے یہ سلسلہ وار فلم ختم ہو گئی، لیکن ذہنوں پر چھالیا کمشن میک ملن امر ہو گیا۔

کچھ سال ہی بیتے ہوں گے کہ اخباروں میں یہ خبر پڑھ کر ذہن ماؤف ہو گیا کہ راک ہڈن ایڈز کے مرض میں بیٹھا ہو گیا ہے۔ اور پھر یوں گاہے بگاہے راک ہڈن کی بیماری کے بارے میں خبریں اور تفصیلات چھپتی رہیں۔ وہ تدرست و توانا، بانکا

بجیلا، کمشن میک ملن۔ ہڈیوں کا ڈھانچا نظر آتا تھا۔ اس کی ہرنی آنے والی تصویر اس کی طبیعت کی اپنی کاپتہ دینی تھی۔ اور پھر ایک دن خبر آئی کہ راک ہڈن ایڈز کا مقابلہ کرتے تھک گیا اور یہیشہ کے لئے اپنے مداحوں کے دل میں اپنی یاد چھوڑ گیا۔

یہ شاید پہلا موقع تھا کہ کوئی بین الاقوامی شرت یافتہ شخصیت ایڈز کا شکار ہوئی تھی۔ اور نہ صرف یہ کہ اس بیماری کی تشیر ہوئی بلکہ ایڈز میں بیٹھا ہونے کی مختلف وجوہات بھی دنیا کے سامنے آئیں۔ شاید راک ہڈن کے بہت سے مداحوں کو یہ سن کر اور پڑھ کر شدید مایوسی ہوئی ہو کہ ایک اتنے اچھے فناکار کی ذاتی زندگی کوئی زیادہ لائق تحسین یا مثالی نہیں تھی جتنی کہ اس کی اداکاری۔ لیکن ایک بات لائق تحسین ضرور ہے کہ بخلاف اس کے کہ ہر بڑی یا مشور شخصیت کی طرح وہ اپنی بیماری اور اس کی وجوہات کو چھپتا اور صیغہ راز میں رکھنے کی کوشش کرتا، راک ہڈن نے انتہی ٹیکر کی درد سے اس مرض کی بوری طرح تشیر کی۔ اور یوں راک ہڈن کے توسط سے ایک عام آدمی کو بھی ایڈز کے مرض کی موجودگی کا پتہ چلا، اور لوگوں کو اس مرض کے باارے میں جانتے کا تھس ہوا۔ ہو سکتا ہے کہ راک ہڈن سے پہلے بھی کوئی شخصیت اس مرض میں بیٹھا ہوئی ہو۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ اس مرض کی بین الاقوامی سطح پر جتنی تشریف ابتدائی زمانے میں اس اداکار کے توسط سے ہوئی وہ شائد پہلے بھی نہیں ہوئی۔

ایڈز کی افسوناک تاریخ کماں سے شروع ہوتی ہے؟ یہ تو بتانا شاید مشکل ہو۔ لیکن جدید دنیا نے پہلی مرتبہ 1981ء میں ایڈز کو ایک مرض کی دیشیت سے تسلیم کیا۔ شروع میں یہ سمجھا گیا کہ شاید یہ مرض صرف امریکہ یا میں پایا جاتا ہے لیکن پھر جب رسروچ کا دائرہ وسیع ہوا تو پتہ چلا کہ دنیا کے ہر براعظم میں اس مرض کا وجود ہے۔

چونکہ ایڈز کے واقعات امریکا کے چند مخصوص لوگوں میں تشخیص کیے گئے، جو ہم جنس پرستی میں بیٹھا تھے، لہذا اس خیال کو تقویت ملی کہ یہ مرض صرف جنسی بے اعتدالیوں میں بیٹھا لوگوں ہی تک محدود ہے۔ لیکن پھر فتحہ رفتہ اس مرض کے بارے میں معلومات میں جب اضافہ ہوا تو پتہ چلا کہ جنسی بے اعتدالی اس مرض کی وجہ تو

نہیں لیکن اس مرض کے پھیلنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اور جوں جوں ریسرچ کا دارہ وسیع ہوا تو یہ مفروضہ لیکن میں بدلتا گیا اور آج سائنس داں اس بات پر متفق ہیں کہ ایڈز کے 90 فیصد واقعات جنسی ہے اعتدالی کی وجہ سے پھیلتے ہیں۔

ایڈز دراصل ایک وارس سے پھیلتا ہے، جو جسم میں موجود قوت مدافعت کو ختم کر دیتا ہے۔ اس وارس کا نام Human Immunodeficiency Virus ہے جس کا مخفف HIV ہے۔ HIV انسانی جسم میں داخل ہو کر ایک خاص قسم کے انسانی خلیے جنہیں T-Lymphocyte (لیمفوسائیٹ) کہتے ہیں میں داخل ہو جاتا ہے اور ان خلیوں پر جو انسان کے مدافعتی نظام (Immune System) کو مضبوط کرتے ہیں کچھ اس طرح اثر انداز ہوتا ہے کہ پھر جتنے نئے خلیے جنم لیتے ہیں ان سب میں یہ وارس موجود ہوتا ہے اور یوں اس کی آبادی پھیلتی جاتی ہے۔ جب HIV یعنی ایڈز کے وارس کی تعداد بڑھتی جاتی ہے تو یہ مدافعتی خلیے جن کا اوپر ذکر آیا ہے تباہ ہے نے لگتے ہیں اور آہستہ آہستہ انسان کا مدافعتی نظام بالکل تاکارہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے معنوی سے معمولی جراشیم کی اگر جسم میں داخل ہو جائیں تو جسم ان کا مقابلہ نہیں کر پاتا۔ عام حالت میں لا صحت منہ آدی میں بھی

مدافعتی نظام چاق چوپند ہوتا ہے، جسم بڑی سے بڑی بیماری یا جراشیم کی یلغار کو بڑی آسانی سے برداشت کر لیتا ہے اور بعض اوقات بغیر ادویات کی مدد کے بھی آدمی صحت مند ہو جاتا ہے۔ لیکن ایڈز کے مرض کی مثل ایک ایسے عالیشان محل کی سی ہوتی ہے جس کی حفاظت کا کوئی انظام نہیں ہو اور معنوی اٹھائی گیروں سے لے کر پیشہ ور چور و ڈاکو سب بڑی آسانی سے بغیر کسی جھگ کے اپنی مرضی سے چوری چکاری کر سکتے ہوں۔

ایڈز کا وارس اگر جسم میں داخل ہو جائے تو فوری طور پر اثر انداز نہیں ہوتا اسے کچھ وقت لگتا ہے۔ عام طور سے ایڈز کے وارس کے جسم میں داخل ہونے سے اس مرض کی علامات ظاہر ہونے تک کا وقت 6 مینے سے کئی سالوں پر محيط ہو سکتا ہے۔ اوسٹا یہ وقف بچوں میں ایک سال اور بڑوں میں 5 سال تک ہوتا ہے۔ بہت سارے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں ایڈز کے وارس تو موجود ہوتے

ہیں لیکن مرض کی علامات ظاہر نہیں ہوتی ہیں ایسے لوگوں کو HIV Positive کہتے ہیں اس بارے میں بھی ابھی کچھ زیادہ معلومات نہیں کہ کیوں ایسا ہوتا ہے کہ بعض لوگوں میں علامات جلدی ظاہر ہوتی ہیں جبکہ کچھ میں خاصی دیر ہے۔ لیکن کچھ مفروضے ضرور ہیں جو اس بات کا تعین کرنے میں مدد دیتے ہیں کہ کیوں ایسا ہوتا ہے۔ مثلاً ایڈز کے وارس کا بار بار جسم میں داخل ہوتا۔ یا پھر ایڈز کے ساتھ ساتھ ٹی بی۔ ملیریا۔ یا دوسرے امراض کی موجودگی، جو کہ مدافعتی نظام کو خود بھی کمزور کر دیتے ہیں۔ یا پھر ایسی خاتون جو حمل سے ہو، یا مریض میں موروثی کوئی ایسا نقش ہو جس کی وجہ سے کچھ بیماریاں اس پر آسانی سے اثر انداز ہو سکتی ہوں۔

بیماریاں کس طرح پیدا ہوتی ہیں اور کس طرح پھیلتی ہیں؟ ان کے بارے میں غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جو معاشرہ حفظان صحت کے اصولوں سے لاپرواڈی برداشت ہے وہ بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ صحت صرف جسمانی ہی نہیں ہوتی بلکہ ذہن سے بھی اس کا تعلق ہے۔ بت گمراہ ہوتا ہے۔

زندگی اگر کسی اصول اور ضابطے کے تحت بہر ہو تو انسان بہت سی انفرادی اور اجتماعی خرابیوں سے بچا رہتا ہے۔ نتیجتاً ذہنی اور جسمانی حارثے اس کے قریب نہیں پھیلتے۔ ہم خوش قسمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مسلمان گھرانوں میں پیدا کیا۔ اسلام ایک ایسا نہ ہب ہے جو زندگی کے ہر گوشے کو اپنی رہنمائی سے منور کر دیتا ہے۔ ایڈز کے پھیلاؤ کے حوالے سے اگر ہم جائزہ لیں تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ مسلمان ممالک اور مسلمانوں میں اس مرض کا تقابل بے انتہا کم ہے۔ افریقہ اور ایشیا جماں مسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے وہاں اقوام متعدد کے ذیلی اوارے WHO کے مطابق یہ مرض کم ہے۔ شمالی افریقہ اور ایشیا میں اوسٹا ہر 4000 میں ایک مرو کے ایڈز میں بھلا ہونے کا اندازہ ہے، جبکہ ایشیا میں ایک خاتون کے ایڈز میں بھلا ہونے کا اندازہ ہے۔ برخلاف اس کے امریکہ اور کینیڈا میں 75 مروں میں سے ایک ایڈز کا شکار ہے جبکہ خواتین میں 700 میں ایک کی شرح ہے۔ عمومی طور پر ایڈز کے پھیلنے کی سب سے بڑی وجہ جنسی ہے راہ روی ہے، بلکہ نیادی طور پر ایڈز کو ایک جنسی بیماری ہی شمار کیا جاتا ہے۔